التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد۲، شمارہ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مفسر قرآن : صوفی عبدالحمید سواتی

ڈاکٹر حافظ فدا حسین

The great Islamic Scholar and intellectual Sufi Abdul Hameed Sawati (2008) was born at Mansahra. He was educated at Darul-Aloom Duaband and Darul Muballegheen Lakhnaw (India), in 1952. He founded Nusratul Aloom Gugranwala. He lived whole the life and worked at Gugranwala. He was one of the most remarkable personalities of our times. He had left an enormous corpus of book and articles which was marked for theio very high scholarly quality. He wrote many scholarly books on various aspects of Islamics in Urdu, Arabic and Persian languages. He delivered his lectures with regard to transition and Explanation (Tafseer) of Quran for many years. These lectures have been published the shape of Tafseer-e-Quran. He rendered various services of political and

religious. He was reprisantatire of shah waliulah's reformation movement to return the Quran and Sunnah as Shah Waliullah stressed the point that the problems of the Muslims would be solved only through strict adherence to the teachings of Quran and Hadith in all spheres of life. This is the point which was given special focus in Maalim-ul-Quran fi Droos-ul-Quran" and in various other books and articles of Suffi Abdul Hameed Sawati.

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت، مطالب کی وسعت، اس کے موضوعات کی گوناں گونی، دین و فن کے حسین امتزاج اور دل آویز پیکر نے ہر عہد کے علماء وفضلاء کے قلبی احساسات کو اُبھارا اسی وجہ سے انہوں نے اس ابدی کتاب میں مخفی خزانوں سے پردہ ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کی ۔ کسی نے لغات ولہجات اور مخارج حروف پر زور قلم صرف کیا تو کسی نے صرفی ونحوی خوبیوں اور صنائع وبدائع کو اپنا موضوع بحث بنایا، کسی نے اصول دین اور احکام وقصص مرتب کیے تو کسی نے اقسام، امثال اور تصویر فنی پر خامہ فرسائی کی اور کسی نے فصاحت و بلاغت کے محاسن اور مخفی گوشوں کو اُجاگر کیا۔ الغرض قرون اولیٰ سے لے کر دور حاضر تک قرآن مجید کے معانی ومطالب کی تفہیم تشریح اور توضیح کے لیے بے شمار کتب احاطہ تحریر میں آ گئیں۔ یہی کتابیں عوام الناس کے لئے فہم قرآن کا بہت بڑا ذریعہ ہیں ۔

گذشتہ چودہ صدیوں سے دنیا کی متعدد زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم و تفاسیر لکھی جا رہی ہیں ۔ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے بارہویں صدی ہجری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس وقت کی دفتری اور تعلیمی زبان، فارسی میں کلام پاک کا ترجمہ کیا۔ بعد ازاں ان کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے "تفسیر عزیزی" کے نام سے ابتدائی سوا پارے اور آخری دو پاروں کی تفسیر فارسی زبان ہی میں لکھی۔ ان کے بعد شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے کلام پاک اردو زبان میں تحت اللفظ ترجمہ کیا۔ یہ

ترجمہ آج بھی پڑھا جاتا ہے۔ اسی عہد میں شاہ صاحب کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادرؒ نے بھی کلام پاک کا بامحاورہ اردو ترجمہ ''موضح قرآن'' کے نام سے کیا۔موضح قرآن تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۰۵ھ سال تکمیل مستخرج ہوتے ہیں۔گذشتہ دو صدیوں میں برصغیر میں جتنے بھی تراجم و تفاسیر احاطہ تحریر میں آئیں اور شائع ہوئیں ان میں سے بیشتر کی بنیاد یہی تراجم بنے۔

مولانا عبید اللہ سندھی (م۔۱۹۴۴ء) نے شاہ ولی اللہ کے افکار ونظریات اور فلسفے کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔اس تفسیر کو ان کے شاگردوں،مولانا عبداللہ بخاری اور علامہ موسیٰ جاراللہ نے بالترتیب ''المقام المحمود''(اردو) اور ''الہام الرحمٰن''(عربی) کے نام سے مرتب کی۔مولانا عبیداللہ سندھی نے ''خلاصۃ القرآن'' کے نام سے قرآن مجید کی سورتوں کا خلاصہ بھی لکھا۔اسی سلسلے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور مختصر تفسیر لکھی۔

انھیں تفاسیر میں ایک تفسیر صوفی عبدالحمید سواتی کی بھی ہے۔یہ تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن'' کے نام سے ۲۰ جلدوں میں شائع ہوئی۔یہ تفسیر بھی شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی توسیعی صورت ہے۔صوفی صاحب کے مختصر حالات زندگی اور علمی کارنامے درج ذیل ہیں۔

صوفی عبدالحمید سواتی:سوانحی خاکہ:

نام ونسب:

صوفی عبدالحمید سواتی کا شمار برصغیر کی ممتاز علمی شخصیات میں ہوتا ہے۔آپ ۱۹۱۷ء میں شنکیاری سے آگے کڑ منگ بالا کے قریب چیڑاں ڈھکی میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام نور احمد خان اور دادا کا گل احمد خان ہے۔آپ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔آپ کی کنیت ابوالفیاض اور تخلص اختر تھا۔آپ صوفی صاحب کے لقب سے معروف تھے اور پٹھانوں کی یوسف زئی برادری کی کوتھ مندراوی سے تعلق رکھتے ہیں۔

تعلیم:

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم مانسہرہ کے مختلف علاقوں میں حاصل کی۔۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک ۱۳ سال پاکستان کے مختلف علاقوں ،ملک پور،گھکھو گنڈہ،وڈالہ،سرگودھا،لاہور،ہری پور،مانسہرہ،سیالکوٹ،خوشاب،جہان آباد،ملتان،گوجرانوالہ میں مختلف اساتذہ سے عربی اور فارسی کی کتابیں پڑھیں۔۱۹۴۱ء میں اپنے بڑے بھائی مولانا سرفراز خان صفدر کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔۱۹۴۱ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث شریف کی سند حاصل کی اسی سال امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی سے ملاقات ہوئی۔۱۹۴۲ء میں آپ نے دارالمبلغین لکھنو میں داخلہ لیا اور امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ سے قرآن کریم کی تفسیر، تقابل ادیان،فن مناظرہ اور افتاء میں سند فراغت حاصل کی۔مولانا سید حسین احمد مدنی سے دورہ حدیث پڑھا اس کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ،مولانا احمد علی لاہوری،مولانا عبدالشکور لکھنوی ،مولانا قاری اعزاز احمد ،مفتی محمد شفیع ،مولانا محمد ادریس کاندھلوی ،مفتی عبدالواحد گوجرانوالہ ،مولانا عبداللہ درخواستی اور دیگر جید علماء کرام سے بھی استفادہ کیا۔۱۹۴۲ءمیں آپ نے چشتی سلسلہ میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔(۱)

خشیت الٰہی:

سواتی صاحب پر ہمیشہ خوف خدا کا غلبہ رہتا تھا۔انھوں نے پوری زندگی قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کی۔متعدد بار تلاوت قرآن کے دوران انھیں آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے دیکھا گیا۔مصروفیات کے باوجود نماز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے۔نماز میں خشوع وخضوع کا خاص خیال رکھتے تھے۔حالت مرض میں بھی نماز کا اہتمام رہا۔پابندی اوقات کا بہت خیال رکھتے تھے۔رزق حلال پر بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔آپ کی حق گوئی دنیا کی معروف ہے۔

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے صوفی صاحب کو چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا کیں جن میں سے ایک لڑکا اور لڑکی ان کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے باقی حیات ہیں۔

تعلیمی کارنامے

نصرت العلوم گوجرانوالہ کی بنیاد اور درس و تدریس:۔آپ نے گوجرانوالہ شہر میں ۱۹۵۲ء میں نصرت العلوم کے نام سے ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی اور تمام عمر درس وتدریس، تصنیف و تالیف اور تبلیغ وتحقیق کے شعبوں میں گراں قدر خدمات سر انجام دیتے رہے۔آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیااور اس میں وہ مہارت اور درک حاصل کی کہ آپ کا شمار حضرت شاہ صاحب کے فلسفہ کے شارحین میں ہونے لگا۔آپ کی تصنیفات اور تحقیقی کام کو اہل علم کے ہاں قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔آپ خدمت اسلام کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے اور علم وعمل کے آفتاب تھے۔آپ نے اپنے قائم کردہ ادارے میں طلباء و طالبات کیلئے حفظ قرآن اور درس نظامی کی تعلیم کا انتظام کیا۔ بیرون ملک سے تعلیم کی غرض سے آنے والے طلباء و طالبات کی خوراک،رہائش،علاج معالجہ اور دیگر اخراجات کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اپنے ذمہ لیا۔

ان کا انداز درس ابتدائی سلیس ،عام فہم پُرمغز ،عالمانہ،ناصحانہ اور بلیغانہ ہوتا تھا۔مشکل سے مشکل مقامات کی توضیح بڑے سہل اور عام فہم انداز میں کرتے تھے۔ آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا اور ان کے فلسفہ کی تفہیم میں وقت نظری کا ثبوت فراہم کیا۔آپ شاہ ولی اللہ کے افکار ونظریات اور فلسفہ کو سہل انداز اور تحقیق کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ انھیں خوبیوں کی بنا پر آپ کا شمار حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کے اہم شارحین میں ہوتا تھااور اس سلسلے میں آپ کی تصنیفات اور تحقیقی کام کو اہل علم کے ہاں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔آپ نے نصرت العلوم کے زیر انتظام طلباء و طالبات کیلئے حفظ قرآن اور درس نظامی کی تعلیم کا انتظام کیا اور مدرسے کو صرف دینی تعلیم تک محدود نہیں کیا بلکہ مدرسے کے طلبا و طالبات کے لیے دنیاوی تعلیم کا بھی انتظام کیا چنانچہ مدرسے میں مڈل تک کی تعلیم فراہم کرنے کا انتظام کیا گیا۔اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء طالبات دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم سے بھی آگاہ ہوں تاکہ وہ معاشرے میں پہنچ کر کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہوں بلکہ وہ معاشرے کے مفید شہری بن سکیں۔

دروس قرآن:

آپ نے اپنی زندگی کو تعلیم ،تدریس اور تحقیق کے لیے وقف کر رکھا تھا چنانچہ ہر وقت یا تو تعلیم دیتے نظر آتے یا تصنیف و تالیف میں منہمک رہتے۔قرآن سے انھیں دلی لگاؤ تھا۔ نصف صدی تک اُن کا معمول تھا کہ وہ جامع مسجد نور (گوجرانوالہ) میں ہفتہ میں چار دن باقاعدگی سے درس قرآن دیا کرتے تھے۔ کثیر تعداد میں علماء وعوام الناس ان کے دروس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ درس کا یہ سلسلہ تقریباً اڑتیس برس رہا ان کے ان قرآنی دروس سے عوام الناس کے دل میں فہم قرآن کا ذوق پیدا ہوا۔لوگوں کی زندگیوں میں مثبت تبدیلی پیدا ہوئی اور انھوں نے قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔اہل علم ان کے ان دروس سے استفادہ کر رہے ہیں۔"تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن" میں جو ترجمہ دیا گیا ہے وہ ان کا طبع زاد ہے۔ ان کی تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفہ سے خاص لگاؤ تھا۔تفسیر میں متعدد مقامات پر شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور حکمت کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ یہ تفسیر بیس(۲۰) جلدوں پر مشتمل ہے اور اردو میں لکھی گئی بہت ضخیم تفسیر ہے۔ یہ تفسیر اسلاف کی مختلف تفاسیر کا مرقع ہے۔اس تفسیر کا انداز بیان سادہ اور علم و حکمت سے پُر ہے۔قرآنی مفاہیم ومطالب اس انداز میں بیان کرتے تھے کہ عصر حاضر کے تمام تقاضے بھی پورے ہوتے جاتے تھے اور ہمہ قسم جدید وقدیم ذہنوں کی تشفی بھی ہوتی چلی جاتی تھی۔

فکر ولی اللہی کے ترجمان:

آپ شاہ ولی اللہ اور مولانا عبیداللہ سندھی کی انقلابی فکر کے امین تھے۔اس لئے شاہ ولی اللہ کی تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" کو اپنے مدرسے کے نصاب میں شامل کیا۔آپ کو شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے کے افکار ونظریات سے طبعی مناسبت تھی۔اس لیے ان کے افکار ونظریات کی تشریح و توضیح کی جانب زیادہ توجہ رہی۔آپ نے مدرسے میں کم وبیش 32 مرتبہ "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس دیا۔اس خانوادے سے قلبی تعلق اور محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اس خانوادے کی بہت سی نادر و نایاب کتب کو ترجمہ کروا کے اور تشریح و توضیح کے ساتھ شائع کرانے کا اہتمام کیا۔ شاہ صاحب نے قرآن،سنت اور تعامل صحابہ کی روشنی میں ایسا کامل نظام پیش کیا ہے جو انسانی زندگی کے معاشی ، معاشرتی،اقتصادی،اخلاقی ،سیاسی،انقلابی ،انفرادی و اجتماعی پہلوؤں کو اُجاگر

کرتا ہے۔نیز حکمت ولی اللہی میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ انسان کو صحیح ترقی اس وقت تک میسر نہیں ہو سکتی جب تک کہ انکی خواہشات اور جزئیات عقل کے تابع نہ ہوں اور انکی عقل شریعت حقہ کے تابع نہ ہو۔صوفی صاحب نے تہذیب نو اور مغربی فلسفہ پر فکر ولی اللہی کی روشنی میں کاری ضربیں لگائیں۔(۲)

علم المناظرہ کے ماہر: عبدالحمید سواتی علم المناظرہ کے ماہر تھے۔انھوں نے اس فن کا حصول اور تکمیل مولانا عبدالشکور لکھنوی سے کی۔دوران مناظرہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلام کی حقانیت مدلل انداز میں پیش کرتے تھے۔آپ کی تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تصانیف:

i۔ معالم العرفان فی دروس القرآن (20 جلدیں)
ii۔ ترجمہ قرآن کریم (1 جلد)
iii۔ عون الخبیر شرح الفوز الکبیر فی اصول التفسیر
iv۔ اصول حدیث
v۔ دروس الحدیث (مسند احمد) (4 جلدیں)
vi۔ خطبات سواتی (5 جلدیں)
vii۔ نماز مسنون خورد
viii۔ شرح شمائل ترمذی (2 جلدیں)
ix۔ شرح ابن ماجہ (1 جلد)
x۔ ترمذی شریف شرح ابواب البیوع (1 جلد)
xi۔ تشریحات سواتی الی ایسا غوجی
xii۔ مباحث کتاب الایمان مع تسہیل وتوضیح مقدمہ صحیح مسلم
xiii۔ سعدیات فارسی
xiv۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار
xv۔ مختصر ترین اور جامع اذکار

xvi۔ مقالات سواتی
xvii۔ تقریر صحیح بخاری
xviii۔ نماز مسنون کلاں
xix۔ الاکابر

تراجم ومقدمات:

xx۔ فیوضات حسینی المعروف تحفہ ابراہیم وغیرہ۔
xxi۔ دلیل المشرکین مع اردو ترجمہ ایضاح المومنین
xxii۔ مبادی تاریخ الفلسفہ (اردو سے عربی)
xxiii۔ تحفۃ الاسلام (اردو سے عربی)
xxiv۔ الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس مع اردو ترجمہ
xxv۔ عقیدہ الطحاوی وعقیدۃ الحسنہ
xxvi۔ فقہ اکبر مع ترجمہ البیان الازہر

تصحیح ،مقدمات وحواشی:

xxvii۔ صرف ولی اللہی المعروف صرف میر منظوم
xxviii۔ اسرار المحبہ
xxix۔ دمغ الباطل
xxx۔ تفسیر آیت النور مع ترجمہ
xxxi۔ مجموعہ رسائل (حصہ اول)
xxxii۔ مجموعہ رسائل (حصہ دوم)
xxxiii۔ تکمیل الاذہان مع رسالہ دانشمندی
xxxiv۔ اجوبہ اربعین (رد روافض)
xxxv۔ خطبات صدارت (۳)

غیر مطبوعہ کام:

صوفی عبدالحمید سواتی کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انھیں مختلف علوم وفنون پر کمال دسترس حاصل تھی۔ تصنیف و تالیف کا کام آخری وقت تک جاری رہا۔ ان کا بہت سا کام غیر مطبوعہ حالت میں موجود ہے جو وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔ اور کچھ کام ایسا بھی ہے جو وہ آخری دنوں میں کر رہے تھے اور اپنی بیماری کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے۔ یہ کام بھی تکمیل اور اشاعت کی راہ دیکھ رہا ہے۔

تحریک ختم نبوت سے وابستگی:

آپ نے اپنی جوانی میں ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے آغاز کے ساتھ ہی اپنی پرجوش اور ولولہ انگیز تقاریر سے رائے عامہ کی ذہن سازی کی اور قادنیت کے خلاف علم احتجاج بلند کیا اور اس تحریک کی مکمل طور پر پشت پناہی کی۔ کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں سات ماہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا معاملہ مسیلمہ کذاب اور اسودعنسی جیسا ہے۔ انھیں مسئلہ ختم نبوت سے بہت زیادہ محبت تھی، جس کا اظہار وہ ہمیشہ اپنی تحریر وتقریر میں کرتے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ مسئلہ ختم نبوت ایمان اور عقیدے کی بنیاد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے خارجی اور رافضی فتنے کا بھی تعاقب فرمایا۔ فتنہ انکار حدیث کی بھی سرکوبی کی۔

سیاسی خدمات:

سواتی صاحب میں بچپن ہی سے سیاسی بصیرت موجود تھی، حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کیلئے باقاعدگی سے اخبار کا مطالعہ کرتے تھے۔ زمانہ طالبعلمی میں تحریک آزادی سے وابستگی اختیار کی۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن رہے۔ ۱۹۴۵ء کے بعد جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہوگئے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی اس جماعت سے منسلک رہے۔ بعد ازاں جمعیت علماء اسلام میں شامل ہوگئے۔ ان کا ادارہ ایک عرصہ تک جمعیت کی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ آپ جمعیت علماء اسلام کے اجلاسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کرتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں اپنے ادارہ میں جمعیت علماء اسلام کی آل پاکستان تین روزہ نظام شریعت کانفرنس بھی منعقد کرائی۔ جمعیت طلباء اسلام کے تربیتی کنونشن کا بھی اہتمام کرتے تھے نیز ان

جماعتوں کی مالی معاونت بھی فرماتے تھے۔ ۱۹۵۲ میں جدید اور قدیم تعلیم یافتہ اہل علم کو قریب کرنے کیلئے ایک سیاسی جماعت بنانے کا ارادہ بھی کیا تھا۔ صدر ایوب خان کے زمانہ میں عائلی قوانین کا اجرا ہوا۔ یہ قوانین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے صریحاً خلاف تھے، اس لیے انھوں نے ان قوانین کے خلاف آواز حق بلند کی۔ آپ نے مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا سمیع الحق کے مابین اتحاد کیلئے بھی بہت زیادہ کوششیں کیں۔ (۴)

ملت اسلامیہ کی زبوں حالی پر دینی حمیت کا اظہار:

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ عالم کفر کی جانب سے اُمت مسلمہ کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے ہمہ قسم ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو زیر کرنے کیلئے فلسطین کی مقدس سرزمین پر اسرائیل کو جنم دیا گیا۔ مسلمانوں پر اسرائیلی مظالم کی انتہا ہو چکی ہے۔ سواتی صاحب نے ان مظالم کو اسلام دشمنی قرار دیتے ہوئے برملا مذمت کی۔ ۱۹۸۰ء میں مصری صدر انورالسادات کے اسرائیلی معاہدے پر مذمت کی۔ فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے قتل عام اور مسلم حکمرانوں کی بے حسی کی سخت مذمت کی۔ ۱۹۸۲ء میں سلامتی کونسل کی طرف سے اسرائیل کے خلاف قرار داد مذمت کو امریکہ نے ویٹو کیا۔ جس پر سواتی صاحب نے سلامتی کونسل اور امریکہ کے اس منافقانہ رویے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ افغانستان کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کی۔ روسی فوجیں افغانستان کے بعد پاکستان پر قبضہ کرکے گرم پانی تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھیں نیز روس جنوبی ایشیاء میں اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے روس کے ان جارحانہ عزائم کی بروقت نشاندہی کی۔ ایران عراق جنگ کو مسلمانوں کیلئے نقصان دہ قرار دیا۔ ۱۹۷۹ء میں بیت اللہ پر شرپسندوں کے قبضے کو بیرونی سازش قرار دیا اور سعودی حکمرانوں کی نااہلی اور غفلت کی شدید مذمت کی۔ سقوط بنگال کو عالمی سازش قرار دیا۔ ۱۹۸۰ء میں بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کی، کشمیری مسلمانوں کی حمایت کی اور طالبان کی بھی حمایت کرتے رہے۔ ۱۹۹۸ء میں خلیج میں امریکی افواج کے قدم جمانے میں سعودی عرب کو مورد الزام ٹھہرایا۔ پاکستانی مسلمانوں کو فرقہ واریت سے اجتناب کی تلقین کی اور عیسائی این جی اوز کی سرگرمیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ اس طرح سواتی صاحب نے اپنی زندگی میں اُمت مسلمہ کی

زبوں حالی پر دینی حمیت کا عملی اظہار کیا۔(۵)

تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن محاسن کے تناظر میں:

قرآن کریم وہ حکمت آفرین کتاب ہے جس کی تفہیم تشریح اور توضیح کے لیے بے شمار کتب احاطہ تحریر میں آئیں اور اس کا سلسلہ چودہ سو سال سے آج تک جاری و ساری ہے اور جب تک دنیا قائم و دائم ہے تب تک قرآن کی تفسیریں لکھی جاتی رہیں گی۔قرآن کی تفہیم و تشریح کے لئے مختلف مفسرین نے مختلف انداز اپنایا۔کسی نے قرآن کی تفسیر اسلوبیاتی حوالے سے کی تو کسی نے تاریخی نقطہ نظر سے،کسی نے قرآن کو معاشرتی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی تو کسی نے سائنسی نقطہ نظر سے۔صوفی عبدالحمید سواتی نے ''معالم العرفان فی دروس القرآن'' کو جدید انداز میں اور عصری تقاضوں کو مدنظر رکھ کر تحریر کیا ہے۔مزید یہ کہ اس میں تفسیر قرآن بالقرآن ،حدیث نبوی ﷺ ،اقوال صحابہ،اقوال تابعین ،اقوال تبع تابعین ، اور کلام عرب کا نمونہ ہے۔آپ کی تفسیر کے محاسن درج ذیل ہیں۔

ا۔ قرآن کریم وہ حکمت آفریں کتاب ہے جو تمام عالم انسانیت کے لیے نازل ہوئی ہے۔وہ عالم ہوں یا جاہل،بڑے ہوں یا چھوٹے،مرد ہوں یا عورت،شہری ہوں یا دیہاتی،اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ایسے اسلوب سے مزین کیا ہے جو تمام افراد کی فہم کے مطابق ہے۔عالم کے لیے اس میں اعلیٰ فکری مواد موجود ہے اور ناخواندہ اور عامی اشخاص کے لیے سہل اور گفتگو کا انداز۔سواتی صاحب قرآن کی اس حکمت سے بخوبی واقف ہیں۔اس لیے انھوں نے قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے نہ عالمانہ انداز اپنایا ہے اور نہ لفظی بازی گری کرنے کا مصنوعی انداز اختیار کیا ہے۔ان کا مقصد تحریر کا وہ انداز اختیار کرنا ہے جس سے بات دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے(از دل خیزد بر دل ریزد)۔ان کا اسلوب رواں ،شستہ اور عام فہم ہے۔ان کی تحریر میں دقیق اور بھاری بھرکم اصطلاحیں دیکھنے میں نہیں آتیں اور نہ بعید از فہم اور فرسودہ انداز بیان۔ان کی تحریر کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ندی کا ایک رواں بہاؤ ہے جو بڑی نرم روی سے بہتا چلا جا رہا ہے۔

ii۔ صوفی عبدالحمید سواتی کے دل میں مسلمانوں کی سچی ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ

موجود تھا جس کا وہ اپنی تفسیر میں جا بجا اظہار کرتے ہیں۔وہ مسلمانوں کی بدحالی پر تڑپتے اور کڑھتے ہیں اور مسلمانوں میں موجود بنیادی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے سیاسی ،معاشی معاشرتی،تجارتی اور دیگر جملہ معاملات میں غیر مسلم اقوام کی بجائے قرآن کو اپنا رہنما بنائیں۔

قرآن مجید کی آیت **یسئلونك ما ذا ینفقون(۶)** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' الغرض ! اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ کمزوروں اور محتاجوں کی اعانت کی جائے تاکہ وہ سوسائٹی میں باعزت مقام حاصل کر سکیں۔اللہ تعالیٰ نے ان مدات پر مال صرف کرنے کا حکم دیا ہے۔برخلاف اس کے غیر ضروری اور ناجائز کاموں پر خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسے اسراف سے تعبیر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے دیواروں پر پردے لٹکانے اور تصاویر آویزاں کرنے کے حکم تو نہیں دیا ہے۔باجے گانے اور عیاشی وفحاشی سے منع فرمایا ہے بلکہ محتاجوں وناتوانوں کی دست گیری کا حکم دیا ہے۔صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے دور کا مطالعہ کریں کہ وہ غریب طبقوں کی کس طرح مدد کرتے تھے۔ان کی عزت نفس کا خیال رکھتے تھے ان کے احساس تک کو مجروح ہونے سے بچاتے تھے ان کی ضرورت خفیہ طریقے سے ان کے گھروں پر پہنچا دیتے تھے۔اسلامی سوسائٹی کا معیار تو یہ ہے انسانیت کا مقام اس طرح بلند ہوتا ہے مگر آج ہمارشیوہ یہ کہ گرے پڑے کو اٹھانے کی بجائے اسے بالکل ختم کرنے کے درپے ہیں ،امیر امیر سے امیر تر اور غریب غریب سے غریب تر ہو رہا ہے۔اپنے عیش وآرام کی خاطر دوسروں کا خون چوسا جا رہا ہے۔مگر اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کے لیے مستقیمی کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی ہے والدین کو گھر سے نکالا جا رہا ہے قرابت داروں سے عناد ہے پڑوسی بھوکا ہے تو کوئی پروا نہیں یہ انٹرکانٹی نینٹل میں دعوتیں دے رہے ہیں غریب کے پاس دوائی لانے کے لیے پیسے نہیں مگر بلاضرورت اپنے نفس پر خرچ کر رہا ہے۔(۷)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

''بدقسمتی یہ ہے کہ آج کا مسلمان بھی اپنے دین پر اعتماد نہیں کرتا۔آج کے مسلمان

بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جب تک غیر اقوام کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے ترقی نصیب نہیں ہو گی''۔(۸)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

''مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اغیار کے مشوروں کے سہارے چل رہے ہیں کوئی معاملہ ہو، سیاسیات ہوں یا اقتصادیات، زراعت ہو یا تجارت ہر چیز میں غیر مسلم دخیل ہیں''۔(۹)

درج بالا اقتباسات میں صوفی عبدالحمید سواتی نے عام معاشرتی خرابیوں کا ذکر کیا ہے جن سے معاشرے میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔ یہی عدم توازن احساس محرومی کو جنم دیتا ہے اور اسی احساس محرومی کی وجہ سے معاشرہ شکست و ریخت کا شکار ہو جاتا ہے اور زوال اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ مزید یہ کہ سواتی صاحب صرف معاشرتی خرابیوں کی نشاندہی کر کے خاموش نہیں ہو جاتے اور ان مسائل کے حل تلاش کرنے کی زحمت سے پیچھا نہیں چھڑا لیتے بلکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان مسائل کا حل بھی تجویز کرتے ہیں اور یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے معاملات کے حل کرنے میں آنکھیں بند کر کے غیر مسلم اقوام کی پیروی کرنے کی بجائے اسلام اور قرآن سے راہنمائی حاصل کریں۔ انھیں ان کے تمام مسائل کا حل قرآن اور اسلامی تعلیمات میں مل جائے گا۔

iii۔ صوفی عبدالحمید سواتی عصری شعور رکھتے تھے اور دنیا کی سیاست اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ صوفی عبدالحمید سواتی اپنی تفسیر میں جا بجا یہود و نصاریٰ کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور طاقتور ریاستوں کا کمزور ریاستوں سے رویے کا ذکر کرتے ہیں۔

''ہر طرف مادی ترقی کا دور دورہ ہے مگر کوئی، کونہ ایسا نہیں جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم نہ ہو۔ ایک سے ایک بڑھ کر ظالم موجود ہے کمزور کو کچلنا طاقتوروں کا مشغلہ بن چکا ہے۔ امریکہ اور اس کی کشمکش میں ویت نام کے دس لاکھ ہلاک ہوئے یہ ظلم و ستم بیس سال تک جاری رہا''۔(۱۰)

مزید لکھتے ہیں۔

''اسرائیل امریکہ کا پالتو درندہ ہے جب چاہتا ہے فلسطینی مہاجرین پر چڑھ دوڑتا ہے مسلمانوں کی ہزاروں لڑکیاں ان کی جیل میں ہیں جن سے ظالمانہ سلوک ہو رہا ہے''(۱۱)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

''بنظر غور دیکھا جائے تو اسرائیل کو چار عالمی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان میں سے اول الذکر تین عیسائی ہیں اور چوتھی دہریہ ہے۔ اسرائیل ان سب کی مشترکہ چھاؤنی ہے جسے اردگرد کے مسلمان ملکوں کو تنگ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے''۔(۱۲)

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''1971ء میں جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو اندرا گاندھی کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ ہم نے ہندوستان پر مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کا بدلہ لے لیا ہے۔ اسی طرح انگریز، عیسائی، امریکی، ہندو اور یہود ہمیشہ مسلمانوں کے بدخواہ رہیں گے''۔(۱۳)

الغرض صوفی عبدالحمید سواتی نے اپنی تفسیر میں مسلمانوں پر غیر مسلم اقوام کے ظلم و ستم کی تفصیل بیان کی ہے کہ ان بڑی طاقتوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہ بڑی طاقتیں ایک ہی مذہب (عیسائیت) سے تعلق رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتیں اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑتیں لیکن جب اسلام کا معاملہ ہو تو یہ سب طاقتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت اسرائیل کا قیام اور اس کی پشت پناہی ہے۔

۱۷۔ سواتی صاحب نے اپنی تفسیر 'معالم العرفان فی دروس القرآن' میں جا بجا شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات اور فلسفے سے استفادہ کیا ہے اور انھیں اپنی تفسیر کی زینت بنایا ہے۔ تفسیر کا سرسری مطالعہ کرنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کی تفسیر پر شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی گہری چھاپ موجود ہے۔ جگہ جگہ شاہ ولی اللہ کی کتابوں کے حوالے موجود ہیں اور ان سے کہیں مختصر اور کہیں طویل اقتباسات پیش کیے ہیں۔

مثلاً قرآن مجید کی آیت **ایاك نعبدو ایاك نستعین** ''(۱۴) کی تشریح میں

لکھتے ہیں کہ:۔

'' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کی حقیقی سعادت اللہ تعالیٰ کی عبادت پر موقوف ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی صحیح طریقے سے عبادت کریں گے تو ان کو سعادت نصیب ہو سکے گی اس کے بغیر کوئی آدمی سعادت مند نہیں ہو سکتا''۔(۱۵)

گویا عبدالحمید سواتی نے شاہ ولی اللہ کی فکر کی روشنی میں انسان کی حقیقی سعادت مندی کی نشاندہی کی ہے کہ دنیا کا حاصل ہو جانا اصل سعادت مندی نہیں بلکہ اصل سعادت مندی اللہ کی عبادت میں ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیت **یا یھاالذین امنو استعینو بالصبر والصلواۃ** ''(۱۶) کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

'' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت کے مطابق کوئی بھی قوم ترقی کی پانچ منازل طے کئے بغیر بر سر عروج نہیں پہنچ سکتی ۔ترقی یافتہ قوم کی پہلی منزل تہذیب الاخلاق ہے اور دوسری تدبیر منزل،ترقی یافتہ قوم کی تیسری منزل تدبیر مدینہ ہوتی ہے ، چوتھی منزل اصلاح ملک سے متعلق ہوتی ہے اور پانچویں منزل خلافت کبریٰ کی ہے جس کے ذریعے تمام جہاں کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے۔(۱۷)

اس اقتباس سے شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی روشنی میں کسی بھی قوم کی ترقی کی راہ کا تعین ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

'' جو سوسائٹی اپنے غریبوں اور محتاجوں کا خیال نہیں رکھتی وہ مٹا دینے کے قابل ہے''۔(۱۸)

گویا عبدالحمید سواتی اپنی تفسیر میں فکر ولی اللہی سے متاثر نظر آتے ہیں اور تفسیر میں جا بجا ان کے فلسفے کی وضاحت کرتے ہیں۔

۷۔ سواتی صاحب بین الاقوامی سیاسی اور معاشی نظاموں کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔انھوں نے ان نظاموں (سرمایہ داری،سوشلزم،کیمونزم وغیرہ) کا نہ صرف بغور مطالعہ کیا بلکہ ان میں

موجود خامیوں کا ادراک بھی حاصل کیا۔انھوں نے ان نظاموں کا اسلامی نظام سے تقابلی مطالعہ کر کے اسلامی نظام کی حقانیت واضح کی اور مذکورہ بالا نظاموں پر اسلامی نظام کی برتری ثابت بھی کی۔

سواتی صاحب شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

'' دنیا میں اخلاق کا بگاڑ پیدا کرنے والی دو چیزیں ہیں ایک امپریلزم جسے شہنشاہیت یا ملوکیت کہا جاتا ہے اور دوسری سرمایہ داری۔ملوکیت میں من مانی کاروائیاں کی جاتی ہیں اور سرمایہ داری میں بھی انسان حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال اکٹھا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے جس سے دوسرے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ جبکہ اسلام میں حق تلفی کی بجائے حق رسی ہوتی ہے ذرائع آمدن پر کنٹرول کر کے حلت و حرمت کو واضح کیا جاتا ہے ۔ سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی کی بجائے اس کی اصلاح کی جاتی ہے ۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب دی جاتی ہے اسلام میں باطل نظاموں کو ختم کر کے اپنا اعلیٰ و ارفع نظام قائم کیا ہے۔ جسے مسلمان بھول چکے ہیں۔(۱۹)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

'' سرمایہ داری ہمیشہ قبول حق میں مانع رہی ہے''۔(۲۰)

قرآن مجید کی آیت **لن تنالوالبر حتیٰ تنفقو ا مما تحبون**''۔(۲۱) کی تفسیر میں معاشی نظام کی بابت لکھتے ہیں ۔

'' سرمایہ داری نظام میں ہر شخص اپنے بنک بیلنس کی فکر میں رہتا ہے ۔ جائز و ناجائز ،حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ اسی لیے قرآن نے سرمایہ دارانہ نظام کو لعنتی قرار دیا ہے۔ امریکہ ،برطانیہ ،فرانس سب لعنتی نظام معیشت کو اپنائے ہوئے ہیں وسائل معیشت اکثر ناجائز ہیں۔ دوسری طرف الحادی نظام ہے۔ یہ سراسر خدا تعالیٰ اور شرائع الٰہیہ کا انکار ہے، روس اور چین وغیرہ میں یہی نظام ہے مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح یہ اشتراکی نظام بھی ملعون ہے''۔آگے لکھتے ہیں بہر حال اسلام کے علاوہ جو بھی نظام معیشت ہے سب ملعون ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام کا نظام اور انبیاء کا نظام بالکل الگ ہے اس میں حلال و حرام کی

پابندیاں اسراف وتبذیر کی پابندیاں ہیں"۔(۲۲)

مذکورہ اقتباسات میں صوفی عبدالحمید سواتی نے اس وقت دنیا میں رائج معاشی نظاموں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان نظاموں کی بنیاد ظلم و زیادتی پر مبنی ہیں اور ان کا مقصد طاقتور کو مزید طاقتور بنانا اور کمزور کو مزید کمزور کرنا ہے تاکہ استحصالی قوتیں اپنا کھیل کھیلتی رہیں۔اقبال نے انھیں نظاموں کو دیو استبداد سے تعبیر کیا ہے جو جمہوری قبا میں ملبوس ہے اور دلفریب اور دل نشیں سحر انگیزیوں سے معصوم عوام کو خوش نما ظلم میں گرفتار کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام بنانا چاہتا ہے۔سرمایہ دارانہ نظام میں شخصی ملکیت کا تصور پایا جاتا ہے اور اشتراکی نظام میں ہر چیز حکومت کی ملکیت میں ہوتی ہے۔تمام وسائل آمدنی حکومت کی تحویل میں ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ دونوں نظامہائے معیشت غیر فطری اور باطل ہیں۔ان کے مقابلے میں اسلامی نظام معیشت فطری اور جائز ہے انہوں نے آج دنیا کی اقتصادی بدحالی کا علاج اسلامی نظام معیشت میں تلاش کیا ہے۔معالم العرفان کی یہ ایک اہم خصوصیت ہے کہ اس میں جابجا باطل نظامہائے معیشت کی خامیاں بیان کی گئی ہیں اور معاشی مسائل کے حل کا علاج اسلامی نظام معیشت میں بتایا گیا ہے۔

vi۔ سواتی صاحب کا فقہ پر بھی گہرا عبور تھا۔انھوں نے فقہ کا مطالعہ کیا اور قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے ان آیات کا جن میں فقہی مسائل بیان ہوئے ہیں، مفصل مطالعہ پیش کیا ہے۔فقہی مسائل پر بحث کرتے ہوئے فقہائے کرام کے مابین فقہی اختلافات کو بھی پیش کرتے ہیں۔تفسیر میں اکثر مقامات پر فقہ حنفی کے دلائل کو ترجیح دیتے ہیں۔

مثلاً مسئلہ ولایت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ آیا عاقلہ بالغہ عورت بغیر ولی کے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں امام ابو حنیفہؒ اس کے حق میں ہیں جبکہ امام شافعیؒ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے، دونوں طرف دلائل موجود ہیں تاہم امام اعظمؒ کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے"۔(۲۳)

اسی طرح مدت رضاعت کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"رضاعت یعنی دودھ پلانے کی مدت کے متعلق فقہائے کرام کے مختلف اقوال ہیں جن فقہائے کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے وہ رضاعت کی مدت دو سال بتاتے ہیں۔ حولین کاملین (۲۴) مگر امام مالک دو سال تین ماہ کے قائل ہیں۔امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ رضاعت کی انتہائی مدت اڑھائی سال ہے۔وہ سورۃ احقاف کی آیت **وحمله و فصٰله ثلثون شهر** "(۲۵)

یعنی حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ ہے جو کہ اڑھائی سال بنتے ہیں۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو دو سال کا ذکر ہے تو یہ قانونی مدت رضاعت ہے قانونی حیثیت سے دو سال تک دودھ پلانا ضروری ہے تاہم زیادہ سے زیادہ مدت اڑھائی سال ہے تاہم کسی کو دو سال سے زیادہ عرصہ کے لیے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔اخلاقی طور پر اگر ماں رضامند ہو تو ایسا ہو سکتا ہے"۔(۲۶)

اسی طرح دیگر کئی مقامات ایسے ہیں جہاں فقہی اختلاف بیان کیے گئے ہیں۔

vii۔ معالم العرفان میں قرآن مجید کی آیات کے مابین باہمی ربط پیدا کرنے کے لیے باقاعدہ "ربط آیات" کے نام سے اکثر آیات کی تفسیر سے قبل عنوان دیا گیا ہے لیکن آیات کے مابین حقیقی ربط یا نظم نہیں بتایا جاتا تاہم بعض مقامات پر واقعی ربط بیان کرتے ہیں۔

مثلاً قرآن مجید کی آیت:۔

الم تر الى الملاء من بنى اسرائيل من بعد موسىٰ اذ قالو(۲۷)

کا ماقبل آیت سے ربط بیان کرتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں۔

"گذشتہ آیت کریمہ جہاد کے مسئلہ میں بمنزلہ تمہید تھی اس میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی ترغیب دی گئی تھی اور ان آیات میں جہاد ہی کے متعلق تنظیم کا تذکرہ ہے جہاد ایک اجتماعی مسئلہ ہے اور اس کی تنظیم کا ہونا نہایت ضروری"۔(۲۸)

معالم العرفان کے مذکورہ بالا محاسن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تفسیر واقعی عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق لکھی گئی ہے اور اس میں دور حاضر کے مختلف مسائل کا حل پیش کیا گیا

ہے۔ان خوبیوں کے علاوہ اس تفسیر میں کچھ معائب بھی ہیں مثلاً :

ا۔مؤلف ہر آیت کے ترجمہ کے بعد "ربط آیات" کا عنوان باندھتے ہیں جن کا بظاہر قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس میں نظم آیات کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اکثر مقامات پر حقیقی ربط بیان نہیں کیا جاتا اور جن آیات میں واضح ربط پایا جاتا ہے ان مقامات پر واقع ربط پیدا کرتے ہیں۔

ب۔اکثر احادیث اور اقوال بلا حوالہ بیان کئے گئے ہیں مثلاً

ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"بخاری شریف اور بعض دیگر احادیث میں ایک اور بچے کا واقعہ بھی آتا ہے ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی پاس سے کچھ لوگ گزرے جو ایک عورت پر چوری اور بدکاری کا الزام لگا کر اُسے پیٹتے جا رہے تھے مگر وہ زبان سے یہی کہہ رہی تھی حسبی اللہ" (۲۹)

حاشیہ میں اس حدیث کی بابت کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔حواشی ایک اہم چیز ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف/مصنف نے کن کن کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور کس طرح استخراج و استنباط کئے ہیں۔اس لئے مصادر و مراجع سے کسی کتاب کی قدر و قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔اگرچہ بعض مقامات پر حواشی و حوالہ جات کے اہتمام کی کوشش کی گئی ہے لیکن حوالہ جات انتہائی نامکمل ہونے کے ساتھ ساتھ کسی معروف نظام کے پابند نظر نہیں آتے مثلاً چوتھی جلد کے صفحہ ۵۴۴ کا حاشیہ نمبر 1 لکھا ہے "ترمذی ص ۳۳۸" جو کہ نامکمل ہے۔حوالہ جات مکمل ہونے چاہئیں کیونکہ مکمل حوالہ جات کے ذریعے مختلف مصنفوں کی کتابوں تحریروں اور دستاویزات سے استفادہ کا اعتراف ہوتا ہے اور مصنف/مؤلف کے استعمال کئے ہوئے مواد کے مستند ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ج۔معالم العرفان کی بعض عبارتوں اور واقعات کے بیان میں تکرار کا عنصر موجود ہے۔شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے سے ان کا قلبی تعلق اس تکرار کا باعث بنا ہے۔شاہ ولی اللہ کی محبت اور ان کے افکار و نظریات کے بیان میں یہ تسلسل اور تکرار بعض اوقات ناگوار محسوس ہوتی ہے۔تفسیر میں جا بجا شاہ ولی اللہ کا تعارف اور علمی خدمات کا بیان نظر آتا ہے۔شاہ ولی اللہ

کے علاوہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی اسیری کے واقعات اور ان کے ترجمہ قرآن کے بارے میں بھی بعض مقامات پر تکرار کا عنصر موجود ہے۔

وفات:

صوفی عبدالحمید سواتی زندگی کے آخری سالوں میں بیماری میں مبتلا ہو گئے فروری ۲۰۰۸ء میں آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور غنودگی میں چلے گئے، آخر کار علم و حکمت کا یہ پہاڑ ۱۶ اپریل ۲۰۰۸ء میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔نماز جنازہ اُنکے بڑے بیٹے مولانا محمد فیاض خان سواتی نے پڑھائی۔جس میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔

الغرض صوفی عبدالحمید سواتی بہت بڑی علمی اور روحانی شخصیت تھے پیکر صدق و وفا تھے۔دور اندیش ولی کامل تھے۔روشن ستارے کی مانند تھے جن سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ حق ملی، ان سے ہزاروں شمعیں روشن ہوئیں۔مفسر قرآن، فلسفہ شاہ ولی اللہ اور عبیداللہ سندھی کی فکر کے انقلابی نظریات کے محافظ تھے۔نصرت العلوم کا قیام و ترقی اسلام کی ایک عظیم خدمت ہے۔آپ دور حاضر کی نابغہ روزگار شخصیت اور اسلاف کی یادگار تھے۔عمر بھر اشاعت اسلام کے لیے کوششیں کرتے تھے۔آپ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا کبھی پورا نہیں ہوگا۔آپ کے ادارے سے لاکھوں تشنگان علم بعلوم دینیہ سے سیراب ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔مجتہدانہ اوصاف کے باوجود اکابر کے مسلک و مشرب کے امین تھے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ،مفسر قرآن نمبر مدیر اعلیٰ مولانا محمد فیاض خان سواتی فاروق گنج گوجرانوالہ اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء جلد نمبر ۱۳ شمارہ ۱۰،۹،۸ صفحہ ۴۶۔۴۵

۲۔ مقالات سواتی ا ر ۳۲۷۔۳۲۵

۳۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ،مفسر قرآن نمبر مدیر اعلیٰ مولانا محمد فیاض خان سواتی فاروق گنج گوجرانوالہ اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء جلد نمبر 13 شمارہ ۱۰،۹،۸ صفحہ ۱۱۰۔۹۸

۴۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ،مفسر قرآن نمبر مدیر اعلیٰ مولانا محمد فیاض خان سواتی فاروق گنج گوجرانوالہ اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء جلد نمبر 13 شمارہ ۱۰،۹،۸ صفحہ ۵۴۔۱۵۲

۵۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۳ ر ۳۲۹ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۶۔ مائدۃ ۵:۲۱۵

۷۔ (معالم العرفان فی دروس القرآن ص ۱۸۷ تا ۱۸۸ ج ۸)

۸۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۳ ر ۲۸۵ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۹۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۲ ر ۳۹۱ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۰۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۳ ر ۱۱۹ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۱۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۳ ر ۱۴۰ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۲۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۳ ر ۳۶۹ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۳۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۲ ر ۳۸۶ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۴۔ فاتحہ ۴

۱۵۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۱ ر ۱۲۱ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۶۔ بقرہ ۱۵۳

۱۷۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۲ ر ۷۰۔۶۹ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۸۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۲ ر ۷۱ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۹۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۲ ر ۵۸۔۵۵۷ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۰۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۲ ر ۵۶۷ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۱۔ آل عمران ۹۶

۲۲۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۱ ر ۳۰۰۔۱۰۱ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۳۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۳ ر ۲۱۰ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۴۔ بقرہ ۲۳۳

۲۵۔ احقاف ۱۵

۲۶۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۳ ر ۱۵۔۲۱۴ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۷۔ بقرہ ۲۲۶

۲۸۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۳ ر ۵۲۔۲۵۱ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۹۔ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ۳ ر ۱۶۴ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۶، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

داعی قرآن: ڈاکٹر اسرار احمد

عبدالرحمن خان

ڈاکٹر اسرار احمدؒ عظیم داعی قرآن تھے، انہوں نے قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ سطح پر تبلیغ کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی تا کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی راہ ہموار ہو سکے۔آپ نے قرآن کی درس و تدریس کے لیے تمام قدیم و جدید وسائل استعمال کیے۔نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد کے لیے ۱۹۷۵ء میں "تنظیم اسلامی" قائم کی جس کی قرار دادِ تاسیس میں ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

> "آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممد و معاون ہو۔
>
> ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔اُسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات، دین کا اصل موضوع ہے اور پیشِ نظر اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔
>
> لہٰذا پیشِ نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ اُس میں فرد کی

> دینی اور اخلاقی تربیت کا کماحقہٗ لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو،ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے،ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو،عبادت اور اتباعِ سنت سے اُن کا شغف اور ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے،عملی زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں اُن کی حِس تیز تر اور اُن کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نُصرت و اقامت کے لئے اُن کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔ ان تمام اُمور کے لئے ذہنی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیرِ صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔
>
> دعوتِ دین کے ضمن میں ہمارے نزدیک "الدین النصیحۃ" کی روح اور "الاقرب فالاقرب" کی تدریج ضروری ہے۔ لہٰذا دعوت و اصلاح کے عمل کو فرد سے اولاً کنبہ اور خاندان اور پھر تدریجاً ماحول کی جانب بڑھانا چاہئے۔ اس ضمن میں نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔
>
> عامۃ الناس کو دین کی دعوت و تبلیغ کی جو ذمہ داری امتِ مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے،اس کے ضمن میں ہمارے نزدیک اہم ترین کام یہ ہے کہ جاہلیتِ قدیمہ کے باطل عقائد و رسوم اور دورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کا مدلل ابطال کیا جائے اور حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لئے کتاب و سنت کی ہدایت و رہنمائی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے، تاکہ ان کی اصلی حکمت اور عقلی قدر و قیمت واضح ہو اور وہ شبہات و شکوک رفع ہوں جو اس دور کے لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں"۔(۱)

ڈاکٹر صاحب کی زندگی کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں :

پہلا دور: پیدائش اور تعلیم

ڈاکٹر صاحبؒ ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو مشرقی پنجاب کے ایک قصبہ حصار میں پیدا ہوئے۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے آباء و اجداد کا تعلق یوپی ہندوستان کے علاقے مظفر نگر سے تھا۔ ۱۸۵۷ء میں آپ کے دادا اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مشرقی پنجاب آ گئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو علامہ اقبال کی شاعری سے خصوصی شغف تھا۔اسی لیے بچپن ہی میں ان کی اردو شاعری کے پہلے مجموعہ 'بانگِ درا' کا مطالعہ کر لیا تھا۔ 'خصوصاً طلوع اسلام' کے یہ اشعار تو انہیں بے حد پسند تھے:

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے؟
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!!
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا''(۲)

۱۹۴۶-۴۷ء میں جب تقسیم ہند کا معاملہ خوب زوروں پر تھا،اور مسلمانانِ برصغیر نظریاتی اعتبار سے تین دائروں میں تقسیم تھے۔جماعتِ اسلامی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اولاً ہمارا مقصد مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہیں بلکہ اسلام کا نفاذ ہونا چاہیے۔ہم مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے دینِ اسلام کی دعوت اور اس کے عملی نقاضے رکھیں۔جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں اب ان کو منظم کر کے اسلام کے عادلانہ نظام کے لیے بھرپور کوششیں کی جائیں۔اگر اسلام کا

عادلانہ نظام بالفعل قائم ہو گیا تو اس کی برکات ہم دنیا میں بھی محسوس کریں گے اور آخرت کی تیاری کے لیے ایک سازگار ماحول مل سکے گا۔ دوسری سوچ جمعیت علمائے ہند کی تھی کہ ہماری اوّلین ترجیح ہندوستان کو برطانوی استعمار سے آزاد کرانا ہے۔اس کے لیے اگر ہمیں ہندوؤں سے بھی اتحاد کرنا پڑے تو کر لینا چاہیے۔استعمار سے آزادی کے بعد ہم شریعتِ اسلامی کے نفاذ کے لیے جدوجہد کریں گے۔اور ہندوؤں نے اگر ہماری اس جدوجہد میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی تو ہم اُن کا مقابلہ کریں گے چوں کہ ہم اُن پر کئی سو سال حکومت کر چکے ہیں۔تیسری سوچ مسلم لیگ کی تھی کہ استعماری اقتدار کے خاتمہ کے بعد ہم ہندو قوم کے ظلم و ستم کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ ہمیں بار بار اُن کی مسلم دشمنی اور تعصب کا تجربہ ہو چکا ہے۔ہمیں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے علیحدہ ملک بنانا ہوگا۔تاکہ ہم اس ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کر کے پوری دنیا کو اس کی برکات کا عملی نمونہ دکھا سکیں،تاکہ ان پر حجت تمام ہو سکے۔

ان مختلف خیال آراء کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر جماعت اسلامی کے نقطہ نظر سے متفق تھے۔لیکن ان کے خیال میں ہمیں علیحدہ ملک حاصل کر کے جماعت کے نہج پر کام کرنا چاہیے۔ڈاکٹر صاحب نے جمعیت علماء ہند کے نقطہ نظر سے اتفاق نہیں کیا لیکن ان کے تقویٰ اور خلوص کے معترف رہے،لیکن چوں کہ وہ دیکھ رہے تھے انگریزوں کی سرپرستی سے اب ہندو زندگی کے ہر شعبے میں بہت ترقی کر چکے تھے اور اُن کے اندر مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ شکست کا انتقام لینے کا جذبہ بھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔لیکن جمعیت علماء ہند کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ عوام مسلسل مختلف معاملات میں ہندو تعصب کا سامنا کر رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عوام نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے موقف کی تائید کی اور مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیابی دلائی۔ ڈاکٹر صاحب نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور فعال کردار ادا کیا۔وہ ضلع حصار میں مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری رہے۔اسی حیثیت سے وہ حصار سے لاہور آنے والے وفد میں شامل تھے جو قائد اعظم سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اس دوران جماعت اسلامی کے دعوتی لٹریچر، کتب و رسائل کا مطالعہ کرتے رہے۔ پھر جب تقسیم ہند کے وقت فسادات شروع ہوئے تو حفاظتی کیمپوں میں جماعت اسلامی کے رسالہ ماہنامہ "ترجمان القرآن" میں شائع ہونے والے "تفہیم القرآن" کے حواشی کا مطالعہ کیا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

"اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اوائل میں انڈین ملٹری نے حصار میں ہماری قلعہ بندیاں زبردستی توڑ ڈالیں اور پوری مسلمان آبادی کو ایک نوتعمیر شدہ جیل کے احاطوں میں قائم شدہ کیمپ میں محبوس کر دیا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد ہم لوگ ایک پیدل قافلے کے ساتھ بیس روز میں ایک سو ستر میل کا فاصلہ طے کر کے اگر حافظہ غلطی نہیں کر رہا تو غالباً ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو براستہ سلیمانکی ہیڈ ورکس پاکستان میں داخل ہوئے اور اس طرح زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا!"۔(۳)

دوسرا دور: جماعت اسلامی کے ساتھ فکری و عملی وابستگی

پاکستان آمد کے بعد ۴۹۔۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر صاحب نے گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف ایس سی میں داخلہ لیا۔ اُس وقت آپ نے حلقہ ہمدردان جماعت اسلامی اسلام پورہ ،لاہور میں شامل ہو کر بڑی مستعدی کے ساتھ کام کیا، جماعت اسلامی کے لٹریچر کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ جماعت اسلامی کی نفاذ دستور اسلامی مہم میں بھر پور حصہ لیا۔ جس کے نتیجے میں مارچ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد کو دستور پاکستان میں شامل کیا گیا۔ جس کے مطابق یہ طے پایا کہ پاکستان میں کوئی قانون سازی قرآن وسنت کے منافی نہ ہوگی۔

۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۴ء تک ڈاکٹر صاحب نے کنگ ایڈ ورڈ میڈیکل کالج لاہور سے MBBS کیا اس دوران باقاعدہ اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت اختیار کرلی۔ جمعیت کے پلیٹ فارم نے آپ کی تقریری، تحریری اور تدریسی صلاحیتوں کو خوب نکھرنے کا موقع فراہم کیا۔ اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستگی کے دوران آپ نے مختلف دعوتی مضامین تحریر کیے۔ جمعیت کے ترجمان کے طور پر ایک رسالہ "عزم" کے نام سے جاری کیا۔ لاہور کے علاوہ ساہیوال جاکر بھی

درس قرآن دیتے رہے فکر قرآنی کے حوالے سے آپ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے بے حد متاثر تھے اسی لیے آپ تفسیر عثمانیؒ سے خاصا استفادہ کرتے تھے اور اس تفسیر کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس سے مجھے اسلاف کی خوشبو آرہی ہے۔ بلکہ وہ تنظیم اسلامی کو جماعت شیخ الہند ہی کی توسیع قرار دیتے تھے۔ شیخ الہندؒ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"میں حضرت شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ کو چودھویں صدی کا مجدد مانتا ہوں۔"(۴)

اس کے ساتھ ساتھ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر تدبر قرآنؒ سے بھی استفادہ کرتے تھے اور انہیں اصلاحی صاحب سے باقاعدہ شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔ فکر قرآنی کی ان مختلف جہات کا احاطہ کرنے کی وجہ سے آپ کا درس قرآن بہت مقبول ہوا۔ جمعیت میں فعال سرگرمیوں کی وجہ سے پہلے ناظم لاہور پھر ناظم پنجاب اور ۵۳۔۱۹۵۲ء میں ناظم اعلیٰ پاکستان رہے۔

اس دوران ڈاکٹر صاحب نے کئی تربیت گاہوں کا انعقاد کروایا۔ ان تربیت گاہوں میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ کے دروس قرآن سے خوب استفادہ کرتے رہے اس دوران تعطیلات کے زمانے میں منٹگمری (حال ساہیوال) میں جماعت اسلامی کے اجتماعات میں درس قرآن دیتے تھے۔ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"قرآن حکیم کے ساتھ اس تعلق کا سب سے بڑا فائدہ جو مجھے پہنچا وہ یہ کہ دین کی اساسی تعلیمات بھی مجھ پر براہ راست قرآن حکیم کی روشنی میں واضح ہوگئیں اور خاص طور پر دعوت و تبلیغ دین کی اہمیت اور شہادت حق اور اقامت دین کی فرضیت بھی مجھ پر ازروئے قرآن منکشف ہو گئی۔ گویا ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (البقرۃ:۲۵۶) کے مصداق میرے دینی فکر کا ایک براہ راست تعلق قرآن حکیم سے قائم ہوگیا۔"(۵)

دورطالب علمی کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست دی۔ نومبر ۱۹۵۴ء میں اُن کی درخواست منظور ہوئی اور وہ باقاعدہ جماعت اسلامی کے رکن بن

گئے۔ چوں کہ آپ اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے اس لیے آپ ساہیوال منتقل ہو گئے اور وہاں جماعت اسلامی کی ایک ڈسپنسری میں ملازمت اختیار کی۔ کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو جماعت اسلامی منٹگمری (حال ساہیوال) کا امیر بنا دیا گیا۔

۱۹۵۵ء میں جماعت اسلامی میں ایک بحران کی کیفیت پیدا ہونی شروع ہوئی۔ کئی اراکین جماعت نے محسوس کیا کہ جماعت اپنے نہج سے اغراض کی راہ پر گامزن ہو رہی ہے۔ اب فرد کی اصلاح کے بجائے زور انتخابی سیاست کے ذریعے حکومتی تبدیلی پر ہے۔ جس کی وجہ سے اراکین جماعت کی تربیت کا معیار گرتا جا رہا ہے۔ جب جماعت کے سپیئر کا رکنان کی طرف سے اس حوالے سے بے چینی بڑھنے لگی تو امیر جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، شیخ سلطان احمد اور مولانا عبدالغفار حسن پر مشتمل ایک جائزہ کمیٹی بنائی۔ کمیٹی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ پورے ملک کا سروے کرے اور اراکین جماعت کے احساسات پر مشتمل ایک جائزہ رپورٹ پیش کرے۔

۱۹۵۶ء ڈاکٹر صاحب نے بھی ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ایک بیان اس کمیٹی کے حوالے کیا۔ جو ۱۹۵۹ء میں "تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب کا تجزیہ یہ تھا کہ جماعت اسلامی جو کہ خالص اصولی اسلامی تحریک تھی اب قومی جماعت بن کے رہ گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> "جس طرح دور اول کی جماعت اسلامی کی خصوصیات اول و دوم نے اسے بالکل "اصولی اسلامی تحریک" کی حیثیت دی تھی اسی طرح دور ثانی کی مندرجہ بالا خصوصیات اول و دوم نے اس دور کی جماعت کو بالکل "قومی جماعت" کی سطح پر لا کھڑا کر دیا۔ وہی لفظ قوم پہلے اس لیے متروک ہو گیا تھا کہ چاہے اپنی اصل کے اعتبار سے اس میں فی الواقع کوئی قباحت نہ ہو لیکن اس کے ساتھ عرصہ دراز کے استعمال سے غیر اسلامی تصورات لازماً وابستہ ہو گئے تھے۔"(۶)

ڈاکٹر صاحب نے اس تجزیہ کے لیے بطور دلیل جماعت کے اکابرین کی تحریروں کا

ایک تقابلی جائزہ پیش کیا۔ یہ تقابل ۱۹۴۷ء سے قبل لکھی جانے والی تحریروں اور پھر ۱۹۴۷ء کے بعد کی شائع ہونے والی تحریروں کا تھا۔ جس میں واضح تضاد دکھائی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کے اس اختلافی بیان نے جماعت اسلامی کی شوریٰ کے کئی اراکین کو بہت متاثر کیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ کا تاثر یہ تھا کہ اس نوجوان نے ہمیں ہماری تحریروں کی صورت میں ایک آئینہ دکھا دیا ہے۔ اراکین شوریٰ کی اکثریت کی رائے تھی کہ جماعت کو انتخابی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ جبکہ مولانا مودودیؒ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اس کے لیے انہوں نے جماعت کی امارت سے مستعفی ہونا چاہا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ کا موقف تھا کہ جماعت کے نظری امیر مولانا مودودیؒ ہیں اور جماعت صرف اُن کی امارت ہی میں کام کر سکتی ہے۔ البتہ مولانا مودودیؒ کو شوریٰ کی اکثریت کی رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ جب کہ مولانا مودودیؒ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ امیر جماعت شوریٰ کی اکثریت کی رائے کا پابند ہو۔ اس دوران مولانا مودودیؒ نے بڑی دلچسپ بات کہی کہ آپ چاہتے ہیں کہ امامت تو میں کروں لیکن رکوع اس وقت کروں جب شوریٰ اللہ اکبر کہے اور رکوع سے اُس وقت اُٹھوں جب شوریٰ سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ امیر کو اراکین کو گننا نہیں تولنا چاہیے۔ بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ اراکین شوریٰ کی اکثریت نے انتخابی سیاست میں حصہ لینے پر اختلاف کی وجہ سے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب نے جماعت سے علیحدگی کچھ عرصہ بعد اختیار کی۔ اُس کی وجہ یہ ہوئی کہ جماعت میں اظہار اختلاف رائے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ جس کو بھی جماعت کی پالیسی سے اختلاف ہے وہ اسے صرف سالانہ اجلاس میں ہی بیان کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب اس پابندی کو درست نہیں سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے اپریل ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ:

> "اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں نے زندگی کا وہ نصب العین بھی ترک کر دیا جس کے حصول کے لیے میں نے جماعت میں شمولیت اختیار کی تھی اور احیائے اسلام و تجدید دین اور شہادت حق و اقامت دین کی اس جدوجہد سے بھی لاتعلقی اختیار کر لی جسے میں نے پورے

شعور و ادراک کے ساتھ اپنا دینی فرض سمجھ کر قبول کیا تھا"۔(۷)

تیسرا دور: نئی اجتماعیت کے قیام کیلئے جدوجہد

جماعتِ اسلامی سے مستعفی ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ نے جماعت کی ڈسپنسری کی ملازمت چھوڑ دی اور ساہیوال میں اپنا مطب قائم کرلیا۔ ۶۱۔۱۹۶۰ء میں دینی سرگرمیوں کے اعتبار سے ڈاکٹر صاحبؒ نے دروسِ قرآن کے کئی حلقے قائم کیے۔ اور منٹگمری (حال ساہیوال) میں طلبہ کے لیے ایک ہاسٹل بنایا تاکہ وہاں مقیم طلبہ کی دین کے وسیع تصور کے اعتبار سے ذہن سازی کی جاسکے۔ اس دوران جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین سے بدستور رابطے کرتے رہے تاکہ ایک نئی اجتماعیت قائم کی جاسکے جو جماعت اسلامی کے ابتدائی طریقۂ کار کو پھر سے اختیار کرکے افراد کی ذہن سازی اور عملی تربیت کا اہتمام کرسکے۔ منٹگمری (حال ساہیوال) میں قیام کے دوران تقریباً دو سال تک تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ رہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ شب جمعہ کے بیان میں شرکت کرتے اور فجر کے بعد تبلیغی جماعت کے اجتماع میں درسِ قرآن دیتے رہے۔ لیکن چوں کہ تبلیغی جماعت کی اصل توجہ صرف افراد کی اصلاح پر ہے۔ اور وہ نفاذِ شریعت کا کوئی واضح لائحہ عمل پیش نہیں کر رہی تو تبلیغی جماعت سے مزید منسلک نہ رہ سکے۔ ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر صاحب بڑے بھائی کی خواہش پر کراچی تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> "اوائل ۶۲ء میں بڑے بھائی صاحب کی طرف سے دین اور دنیا یعنی معاش اور معاد دونوں کے لیے مشترکہ کوشش کی ایک نہایت دل آویز اور خوش آئند تجویز کے تحت کراچی منتقل ہوگیا اور اگرچہ بہت جلد محسوس ہوگیا کہ یہ بھی "دامِ ہمرنگ زمیں" ہی ہے، تاہم ایک دفعہ اس میں گرفتار ہونے کے بعد کم و بیش تین سال اس سے رہائی حاصل کرنے میں لگے اور ۶۵ء میں میں واپس ساہیوال آسکا"۔(۸)

کراچی میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحبؒ کی رہائش کچھ عرصہ کے لیے کورنگی میں دارالعلوم کراچی کے بالکل ساتھ انگلینڈ لمیٹڈ کی فیکٹری میں رہی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحبؒ کو

مفتی شفیع صاحبؒ کی قربت بھی حاصل رہی۔ کراچی میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحبؒ نے دروسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے کراچی یونیورسٹی سے ایم اے (اسلامک سٹڈیز) میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ کراچی سے واپس ساہیوال منتقلی کے بعد آپ کے والد صاحب ۱۱ نومبر ۶۵ء کو انتقال فرما گئے۔ اب ڈاکٹر صاحب ساہیوال سے لاہور منتقل ہو گئے اور لاہور کو اپنی دینی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ لاہور میں ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی اب تک کی جمع شدہ پونجی سے کرشن نگر میں ایک مکان خریدا۔ اس مکان میں اپنا مطب قائم کیا۔ ۱۹۶۶ء میں دعوتی کتب کی اشاعت کے لیے دارالاشاعتِ الاسلامیہ قائم کیا۔ دارالاشاعت سے ڈاکٹر صاحب نے کئی دعوتی کتب شائع کیں اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر تدبر قرآن کی اشاعت کا بھی آغاز کیا۔ لاہور میں آپ نے دروسِ قرآن کے کئی حلقے قائم کیے اور جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین سے رابطوں میں تیزی پیدا کردی تاکہ احیاءِ اسلام کے لیے ایک نئی اجتماعت قائم کی جاسکے۔ اسی دوران ڈاکٹر صاحبؒ نے ماہنامہ میثاق کا دوبارہ اجرا کیا جسے مولانا اصلاحی صاحب نے ۱۹۵۹ء میں جاری کیا تھا لیکن اب وہ مالی دشواریوں کی وجہ سے شائع نہیں ہو رہا تھا۔ اس دوران روزنامہ 'کوہستان' میں "تحریک جماعتِ اسلامی" پر ایک تبصرہ چھپا۔ جس میں اس بات پر خاص تنقید کی گئی کہ جن حضرات نے جماعت اسلامی کو موردِ الزام ٹھہرا کر کہ صحیح طریقہ کار پر قائم نہیں رہی، جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی، انہوں نے نو دس سال گزرنے کے بعد بھی کوئی اجتماعی پلیٹ فارم نہیں بنایا جو اس نصب العین کو صحیح سمت لے کر آگے چلے، جو جماعت اسلامی کا ہے۔ چونکہ نصب العین میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ اس تنقید کا یہ اثر ہوا کہ ڈاکٹر صاحب اور دوسرے اکابرین جو جماعت سے علیحدہ ہوئے تھے، رابطوں میں تیزی لائے۔ اور جلد ایک اجتماعی نظم بنانے کی کوششیں شروع کردیں۔ انہی کوششوں کے نتیجے میں ۶۷۔۱۹۶۶ء میں رحیم یار خان میں اجتماع ہوا۔ جس میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور دیگر اکابرین نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں ایک اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے قراردادِ تاسیس پر اتفاق ہوا۔ قراردادِ تاسیس کی توضیحات کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور مولانا عبدالغفار حسن

صاحب نے بہت عمدہ تقاریر کیں۔ طے پایا کہ نئی اجتماعیت کے لیے کنوینر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب ہوں گے۔ وہ پورے پاکستان کا دورہ کریں گے اور خدمتِ دین کا جذبہ رکھنے والوں کو نئی اجتماعیت کے مقاصد اور طریقہ ٔ کار سے آگاہ کریں گے۔ بعد ازاں اس اجتماعیت میں شمولیت کا ارادہ کرنے والوں کا ایک ملک گیر اجتماع ہوگا جس میں اجتماعیت کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا جائے گا۔ پروگرام کے مطابق مولانا امین احسن اصلاحی صاحب مختلف شہروں کے دورے پر نکلے۔ سکھر میں ایک اجتماع کے دوران اُن کی جماعت اسلامی کے ایک رکن سے تلخ کلامی ہوگئی۔ اصلاحی صاحب اس پر دلبرداشتہ ہو گئے اور صاف کہہ دیا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ وہیں سے اُنہوں نے لاہور واپسی کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا ''حسرت اُن غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے'' کے مصداق ایک اجتماعیت کے قیام کا معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> ''بہرحال اس مرحلے پر میں نے خوب سوچ سمجھ کر پوری دلجمعی کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا کہ اب جو کچھ کرنا ہے انفرادی طور پر اور از خود کرنا ہے۔ نہ بزرگوں کے انتظار میں رہنا ہے کہ وہ آگے بڑھیں تو میں بھی چلوں' نہ سابق رفقاء کی راہ تکنی ہے کہ وہ ساتھ قدم ملائیں تو میں بھی سفر کا آغاز کروں۔ ہر شخص خدا کی عدالت میں انفرادی طور پر پیش ہوگا اور اپنی اپنی جوابدہی کرے گا۔ ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾(مریم) لہٰذا کوئی اور آگے بڑھے یا نہ بڑھے اور ساتھ دے یا نہ دے' مجھے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کی فکر بہرحال کرنی ہے!''(۹)

بالآخر ان تھک جدوجہد کے بعد ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا اور مذکورہ قرار داد تاسیس کو ہی اس نئی اجتماعیت کی اساس قرار دیا گیا۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ جب اس بات سے ناامید ہو گئے تھے کہ جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین کسی اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے آگے بڑھیں گے تو اُنہوں نے اپنے طور پر ایک اجتماعی جدوجہد کے آغاز کا عزم کیا۔ اس حوالے سے ایک لائحۂ عمل ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ --- کرنے کا اصل کام'' کے عنوان سے ایک تحریر میں پیش کیا۔ اس کتابچے میں اُنہوں نے واضح

کیا کہ مسلمانوں کے زوال کی بنیادی وجہ مغربی فکر کی ہمہ گیریت ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''خیالی اور ماورائی تصورات کے بجائے ٹھوس حقائق و واقعات کو غور و فکر اور سوچ و بچار کا اصل مرکز و محور ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ اور خدا کے بجائے کائنات' روح کے بجائے مادہ اور موت کے بعد کسی زندگی کے تصور کے بجائے حیاتِ دنیوی کو اصل موضوعِ بحث قرار دیا گیا ہے۔ خالص علمی سطح پر تو اگرچہ یہ کہا گیا کہ ہم خدا، روح اور حیات بعد الممات کا نہ اقرار کرتے ہیں نہ انکار۔ لیکن اس عدمِ اقرار و انکار کا نتیجہ بہرحال یہ نکلا کہ یہ 'تصورات' رفتہ رفتہ بالکل خارج از بحث ہوتے چلے گئے اور انسان کے سارے غور و فکر اور تحقیق و تجسس کا مرکز و محور کائنات، مادہ اور حیاتِ دنیوی بن کر رہ گئے۔''(۱۰)

ان تصورات کی مدافعت کیلئے دارالعلوم دیوبند ایک تحریک کی شکل میں منظر عام پر آیا جنہوں نے اس دور میں روحانیت کی شمعیں جلائیں اور قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں میں دین اسلام کا ڈھانچہ محفوظ رکھا۔ دوسری قسم کی کوششوں کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ جدید فکر میں سے صحیح و غلط کی نشان دہی کر کے علیحدہ کیا جائے اور اسلام کی حقانیت ثابت کی جائے۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''بہرحال امر واقعہ ہے کہ ان کی ان کوششوں سے دین و مذہب کی جان نکل کر رہ گئی اور مغرب کی مادہ پرستانہ ذہنیت کے تحت مذہب کا ایک کم و بیش لامذہبی ایڈیشن تیار ہوا۔ جس کا اگر کوئی فائدہ ہوا تو صرف یہ کہ بہت سے ایسے لوگوں کو جو ذہن و فکر کے اعتبار سے ہی نہیں تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بھی خالص یورپین بن چکے تھے انہیں اپنے اوپر سے اسلام کا لیبل اتارنے کی ضرورت نہ پڑی۔ اور وہ مسلم قومیت کے حلقے میں شامل رہ گئے اور دین کا یہ جدید ایڈیشن ان کی جانب سے مغرب کی

خدمت میں بطور معذرت پیش ہو گیا۔"(۱۱)

ڈاکٹر صاحبؒ کا تجزیہ یہ تھا کہ اب ان حالات میں احیاء اسلام کے لئے دو قسم کے کام کرنے ہونگے۔ ایک علمی کام اور دوسرا تحریکی کام۔ علمی کام کے لئے ایسے نوجوان تیار کرنے ہوں گے جو ایک طرف جدید علوم سے بہرہ ور ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اسلامی علوم کی ٹھوس بنیاد رکھتے ہوں۔ یہ نوجوانوں تخلیقی، تبلیغی، تدریسی اور تصنیفی کاموں کے ذریعے تین اعتبارات سے علمی خدمات سر انجام دیں۔ پہلا یہ کہ مغربی فلسفہ و فکر کی مضبوط دلائل سے تباہ کاریاں ثابت کریں۔ دوسرا یہ کہ اسلامی تعلیمات اور تصورات کو دلائل سے پیش کریں تاکہ جدید ذہن کے شبہات کا ازالہ ہو سکے۔ تیسرا یہ کہ عصر رواں کے اعتبار سے اسلام کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی نظام کو مرتب کریں جس سے ثابت ہو کہ اسلام ہی وہ واحد نظام ہے جو پوری دنیا کے اجتماعی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ یعنی اسلام کو ایک نظام حیات کے طور پر پیش کریں۔ تحریکی کام کے حوالے سے عوام الناس پر دینی ذمہ داریاں واضح کریں۔ انہیں ہر سطح پر یہ ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے منظم کریں۔ اُن کے دلوں میں نظام باطل کے خلاف شدید نفرت پیدا کریں تاکہ وہ رائج نظام کو ختم کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے ان مقاصد کے حصول کے لیے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا۔ علمی کام کے لیے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کی جبکہ تحریکی کام کے لیے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی۔ اب ملک اور بیرون ملک سے باصلاحیت نوجوانوں کی تنظیم اسلامی سے وابستگی ہے جو اس مشن کو آگے پھیلا رہے ہیں۔

۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے موضوع پر ایک معرکۃ الآراء تحریر لکھی۔ اس تحریر کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب قرآن مجید سے دوری ہے اور پھر سے عروج کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کر کے اُس کے ساتھ اپنے تعلق کو زندہ اور مضبوط کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

"حالات موجودہ یہ ایک بہت دور کی بات اور سہانا خواب معلوم ہوتا ہے

اس لئے کہ واقعی صورت حال یہ ہے کہ وہ امت کہ جسے قرآن کو اقوام و امم عالم تک پہنچانے کا ذمہ دار بنایا گیا تھا آج اس کی محتاج ہے کہ خود اسے قرآن "پہنچایا" جائے۔ لہٰذا اس وقت، اصل ضرورت اس کی ہے کہ خود امت مسلمہ میں تعلیم و تعلم قرآن کی ایک رو چل نکلے اور مسلمان درجہ بدرجہ قرآن سیکھنے اور سکھانے میں لگ جائے۔"(۱۲)

مذکورہ کتاب کو بہت پذیرائی ملی۔ اور لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کی گئی۔ اس کتاب کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر محمد ابراہیم مرحوم نے کیا۔ اور عربی ترجمہ ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے ماہنامے 'البعث الاسلامی' میں شائع ہوا۔ اس کتاب پر جید علماء کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کی خوب ستائش کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کا متعدد بار اعتراف کیا کہ قرآن کی عظمت کا اولین نقش اقبال کی شاعری سے ہوا اور خاص طور پر اس شعر نے تو قلب و ذہن پر گہرے اثر چھوڑے، جس میں اقبالؒ فرماتے ہیں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ڈاکٹر صاحب اکثر اس شعر میں 'تم' کی جگہ 'ہم' پڑھا کرتے تھے۔ یعنی "اور 'ہم' خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر ۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۱ء کا دور ڈاکٹر صاحب کے لئے مشکلات کا دور رہا۔ اس لیے کہ بہت سی ذمہ داریاں بیک وقت ان کے کندھوں پر آگئیں۔ مختلف جگہوں پر دروس قرآن کے حلقہ جات قائم تھے۔ اپنے مطلب کو بھی باقاعدہ وقت دینا ہوتا تھا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں بغرض خطاب یا درس جانا ہوتا تھا۔ ماہنامہ 'میثاق' کی ادارت بھی ڈاکٹر صاحب کے پاس تھی۔ ساتھ ساتھ دارالاشاعت میں بھی خاصی مصروفیت رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو شام کے وقت بخار رہتا تھا۔ اور صحت بدستور خراب ہو رہی تھی۔ شروع شروع میں تو اپنی صحت کی طرف دھیان نہ دیا، لیکن جب صحت زیادہ خراب ہوئی تو مجبوراً تشخیص کرانا پڑی۔ لیکن اس تشخیص کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو آپ نے کچھ دنوں کے لیے لاہور سے باہر جا کر آرام کیا۔ پھر واپس آ کر کام شروع کر دیا۔ لیکن صحت دوبارہ خراب ہونے لگی، تو کچھ دلبرداشتہ ہو کر اور بعض

دوسرے عوامل کی وجہ سے آپ نے کچھ ماہ بیرون ملک جانے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب اواخر اکتوبر ۱۹۷۰ء میں حجاز مقدس کے لیے روانہ ہوگئے۔۱۳۹۰ھ کا رمضان المبارک کا پورا مہینہ مدینہ منورہ میں گزارا۔اس کے بعد ایک ماہ کے لیے لندن اپنے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کے پاس چلے گئے۔وہاں سے پھر حجاز آئے۔اس دوران مسلسل اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتے رہے۔ چنانچہ وہیں حجاز مقدس میں اپنی زندگی کا اہم فیصلہ کیا کہ اب پوری زندگی قرآن اور نظام خلافت کے قیام کے لیے وقف کرتا ہوں۔ مطب کو بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ مطب کے تمام اثاثہ جات فروخت کر دیے۔اس کے بعد آپ نے قرآن کی تعلیمات کو اعلیٰ علمی سطح پر پہنچانے کے لیے اواخر ۱۹۷۲ء میں 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' قائم کی۔ بعد میں دار الاشاعت الاسلامیہ کے تمام اثاثہ جات انجمن خدام القرآن نے خرید لئے جس سے ڈاکٹر صاحب کی مالی مشکلات میں کمی آئی۔ انجمن خدام القرآن کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو رہائش فراہم کی گئی۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنا کرشن نگر کا گھر کرائے پر دے دیا جس سے ڈاکٹر صاحبؒ کے گزراوقات کی سبیل پیدا ہوگئی۔البتہ ڈاکٹر صاحبؒ نے طے کیا کہ ان کی مطبوعات پر اُن کا کوئی حق نہیں ہوگا اور اُن سے ہونے والی تمام آمدنی انجمن خدام القرآن کے لئے وقف ہوگی۔ اس انجمن کے تحت ۱۹۷۵ء میں ماڈل ٹاؤن لاہور میں قرآن اکیڈمی قائم ہوگئی۔ بلاشبہ یہ اکیڈمی خدمتِ قرآن کا ایک بہت بڑا مرکز بنی جس میں بیش بہا تدریسی،تبلیغی،تصنیفی اور تحقیقی کام جاری وساری ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں :

"واضح رہے کہ راقم الحروف اپنی ذہنی ساخت اور مزاج وطبع کی افتاد کے اعتبار سے محض انجمن سازی پر نہ کبھی پہلے مطمئن ہو سکا ہے اور نہ اب مطمئن ہوسکتا ہے' بلکہ اس کے پیش نظر بحمداللہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہار دین حق کا بلند و بالانصب العین ہے اور اس کے لیے ایک ہمہ گیر جد وجہد ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہے...... پھر یہ بات بھی اس پر بخوبی واضح ہے کہ یہ کام انجمنوں کے ذریعے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے لازم ہے کہ نبی اکرمﷺ کے ایک قول مبارک کے مطابق سمع وطاعت اور جہاد و ہجرت کی بنیادوں پر باقاعدہ ایک جماعت قائم کی جائے اور اسے امید واثق ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اس کی زندگی میں یہ مرحلہ بھی ضرور آ کر رہے گا' تاہم ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا مناسب وقت کب آئے گا اور فی الوقت ان مقاصد عظیمہ کی اصل جدوجہد کی تمہید کے طور پر صرف تعلیم وتعلم قرآن کے جزوی کام پر اکتفا کیے ہوئے ہے اور پیش نظر انجمن کی حیثیت اس جزوی کام کے بھی ایک شعبے کی ہے۔ چنانچہ مجوزہ انجمن کی قرارداد تاسیس کے الفاظ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ "منبع ایمان ویقین یعنی قرآن حکیم کے علم وحکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر واشاعت" بجائے خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی "اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کے دور ثانی" کی شرط لازم یعنی "تجدید ایمان کی عمومی تحریک" برپا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے"(۱۳)

تنظیم اسلامی کا قیام

تحریکی کام کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ نے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام تو عمل میں لائے لیکن ڈاکٹر صاحب نے جماعت کی امارت کی ذمہ داری قبول نہیں کی بلکہ کنوینر کے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی خواہش تھی کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے کوئی بزرگ اس جماعت کی امارت کا منصب سنبھالیں۔ ڈھائی سال کے انتظار کے باوجود کوئی بزرگ اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔ بالآخر اگست ۱۹۷۷ء میں تنظیم اسلامی کے تیسرے سالانہ اجتماع کے موقع پر ڈاکٹر صاحبؒ نے تنظیم اسلامی کی امارت کی ذمہ داری قبول کی اور طے کیا کہ اس جماعت کی اساس قرآن وسنت اور سلف صالحین کے آثار سے ماخوذ بیعت سمع وطاعت کے اصول پر ہوگی۔

۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر صاحب نے باغ جناح لاہور میں واقع مسجد دار السلام میں خطابِ جمعہ دینے کا آغاز کیا۔ اس سے قبل ڈاکٹر صاحب نے دس سال مسجد خضراء سمن آباد لاہور

میں خطاب جمعہ دیتے رہے۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں جب دینی و سیکولر جماعتوں کے اتحاد یعنی پاکستان قومی اتحاد نے انتخابات میں دھاندلی کے خلاف تحریک چلائی تو اُسے تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کا نام دے دیا۔ مسجد خضراء کی انتظامیہ کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر صاحب اس تحریک کی حمایت میں خطاب جمعہ کے ذریعے بیانات ارشاد فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ کا موقف تھا کہ یہ تحریک نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے نہیں بلکہ صرف بھٹو حکومت گرانے کے لیے ہے۔ عوام کو سڑکوں پر لانے کے لیے نظام مصطفیٰ کا نعرہ اختیار کیا گیا ہے۔ مسجد خضراء کی انتظامیہ نے ڈاکٹر صاحب کا موقف تسلیم نہیں کیا اور اُنہیں خطاب جمعہ کی ذمہ داری سے ہٹا دیا۔ بعد ازاں وقت نے ثابت کیا کہ ڈاکٹر صاحبؒ کا موقف کس قدر برحق تھا۔

۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء لگایا اور اقتدار پر قبضہ کیا۔ انہوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے اسلام کے نفاذ کو اپنی حکومت کا مقصد قرار دیا اور دینی و مذہبی رہنماؤں سے قریبی ربط و ضبط رکھا۔ وہ ماضی میں ڈاکٹر صاحبؒ کے دروس قرآنی میں شریک ہوتے رہے تھے لہٰذا اُنہوں نے ڈاکٹر صاحبؒ کے لیے بھی پذیرائی کا خاص اہتمام کیا۔ کئی مقامات پر اعلیٰ فوجی افسران کے سامنے ڈاکٹر صاحبؒ کو سیرت کے موضوع پر خطاب کے مواقع فراہم کیے۔ پاکستان ٹیلی ویژن پر اپریل ۸۱ تا جون ۸۲ الہدیٰ پروگرام ہر ہفتہ باقاعدگی سے نشر ہوتا رہا جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحبؒ اور ان کی فکر قرآنی کا وسیع پیمانے پر تعارف ہوا۔ جون ۸۱ء میں شرعی پردہ کے حوالے سے ڈاکٹر صاحبؒ کے موقف پر خواتین کی طرف سے مظاہرے ہوئے اور الہدیٰ پروگرام بند کر دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے متبادل کے طور پر پاکستان کے کئی بڑے شہروں میں شام الہدیٰ کے عنوان سے دروس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جن سے کثیر تعداد میں لوگوں نے استفادہ کیا۔

۱۹۸۱ء میں جنرل ضیاء الحق نے ڈاکٹر صاحبؒ کو شوریٰ میں شمولیت کی دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب نے انکار کیا تو اُنہوں نے کہا کہ آپ مجھے مسجد کے منبر پر بیٹھ کر کے مشورے دیتے رہتے ہیں۔ اب میں باقاعدہ اس کے لیے فورم بنا رہا ہوں تو آپ کیوں انکار کر رہے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے ضیاء الحق کی دلیل کو تسلیم کرلیا اور شوریٰ میں شامل ہو گئے۔ ڈھائی ماہ

کے دوران ڈاکٹر صاحبؒ کو اندازہ ہو گیا کہ شوریٰ کا ادارہ صرف خانہ پوری کے لیے ہے تاکہ عالمی برادری کو تاثر دیا جائے کہ ضیاء الحق آمر کے طور پر نہیں بلکہ مشاورت سے حکومت کا نظام چلا رہا ہے۔ درحقیقت شوریٰ کا ادارہ صرف زبانی جمع خرچ کے لیے ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے ڈھائی ماہ بعد ہی شوریٰ سے استعفیٰ دے دیا۔

۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے رمضان المبارک کے دوران نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کا آغاز کیا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ قرآن کی ہدایت سے آشنا ہوں۔ مزید یہ کہ رات کا طویل حصہ قرآن کے ساتھ بسر ہوتا کہ حسب ارشاد رسول ﷺ روز قیامت قرآن شرکاء کے حق میں یہ سفارش کر سکے کہ یہ لوگ میری وجہ سے جاگتے رہے۔ اس پروگرام کو اللہ نے خصوصی شرف قبولیت بخشا اور ہر سال اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ پروگرام کرنے کی سعادت لاہور کے علاوہ کراچی، ملتان، ابوظہبی، اور امریکہ میں بھی حاصل کی۔ اب ڈاکٹر صاحبؒ کے ایک سو سے زائد شاگرد ہیں جو ہر سال خدمت قرآنی کی اس صورت کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

۱۹۸۴ء کے اواخر میں ڈاکٹر صاحب نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں ''منہج انقلاب نبوی ﷺ'' کے موضوع پر خطابات کا آغاز کیا۔ مجموعی طور پر ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر گیارہ خطابات ارشاد فرمائے جنہیں بعد میں کتابی صورت میں مرتب کرلیا گیا۔ بلامبالغہ سیرت النبی ﷺ کے عملی و انقلابی پہلو کے اعتبار سے یہ خطابات کا ایک معرکۃ الآراء مجموعہ ہے۔ ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے اہل پاکستان کو خبردار کیا کہ اُنہیں آزادی حاصل کیے ہوئے ۳۸ برس مکمل ہو رہے ہیں۔ اگر اب بھی اسلام کی طرف پیش قدمی نہ کی تو عذاب الٰہی کے سامنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس حوالے سے اُنہوں نے ایک کتاب ''استحکام پاکستان'' تحریر کی اور اس موضوع پر کئی شہروں میں خطابات دیے۔

۱۹۸۷ء میں سینیٹر مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف نے ملک میں نفاذ شریعت کے لیے سینیٹ میں ایک شریعت بل پیش کیا۔ تمام دینی جماعتیں اس بل کی منظوری کے لیے ''متحدہ شریعت محاذ'' کے نام سے متحد ہو گئیں۔ حکومت کو دھمکی دی گئی کہ اگر ۲۷ رمضان المبارک تک

شریعت بل منظور نہ کیا گیا تو دینی جماعتوں کے اراکین اسمبلی و سینیٹ سے استعفیٰ دے دیں گے اور حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک چلائیں گے۔ڈاکٹر صاحب اس محاذ کی سرگرمیوں میں انتہائی فعال طور پر سرگرم ہوئے۔کراچی کے ایک جلسہ میں کئی اکابر علماء کی موجودگی میں اُنہوں نے تجویز دی کہ ہمیں منظم احتجاج کے لیے ایک امیر کی قیادت پر متفق ہونا ہوگا اور اُس سے بیعت سمع و طاعت کرنی ہوگی۔اُنہوں نے امیر کے لیے مولانا سمیع الحق کے والد مولانا عبدالحق ؒ کا نام پیش کیا۔افسوس کہ دیگر علماء نے شریعت کے نفاذ کی اہمیت پر تو خوب زور دیا لیکن عملی جدوجہد کے لیے ڈاکٹر صاحب کی تجویز کا ذکر تک نہیں کیا۔جب ۲۷ رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو دینی جماعتوں کے اراکین نے اسمبلی اور سینیٹ سے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا۔ایک رکن اسمبلی نے کہا کہ ہم کیوں استعفیٰ دیں۔ہم دین کے دشمنوں کو ان اداروں سے نکال باہر کریں گے۔اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سوچ کس حد تک قابل عمل تھی؟ بہر حال دینی جماعتوں کے اس طرز عمل نے ڈاکٹر صاحب کو شدید مایوس کیا اور ڈاکٹر صاحب نے اس روش کو ایک بہت بڑا المیہ قرار دیا۔

اس دوران ڈاکٹر صاحب ؒ سالانہ بنیادوں پر محاضرات قرآنی کا انعقاد کرتے رہے۔یہ محاضرات اہم دینی موضوعات پر منعقد ہوئے جن میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء اور دانشوروں نے گراں قدر خطابات اور مقالے پیش کیے۔ان محاضرات کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مختلف مکاتب فکر کے علماء ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید ہوئے اور باہم دوریوں میں کمی آئی۔ ۱۹۹۱ء میں امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو ڈاکٹر صاحب ؒ نے وطن عزیز کے طول و عرض میں امریکہ کے اصل عزائم یعنی عظیم تر اسرائیل(GREATER ISRAIEL) کے قیام کو بے نقاب کیا۔اسی سال ڈاکٹر صاحب ؒ نے تحریک خلافت پاکستان کے قیام کا اعلان تحریک خلافت کے حوالے سے تاریخی مقام خالق دینا ہال کراچی میں کیا۔آپ نے کئی شہروں میں نظام خلافت کیا کیوں اور کیسے؟ کے موضوع پر خطابات ارشاد فرمائے۔

ستمبر ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر صاحب ؒ نے رفقاءِ تنظیم اسلامی کو آگاہ کر دیا کہ وہ قمری اعتبار سے مسنون عمر یعنی ۶۳ برس کے ہو چکے ہیں لہٰذا اب دنیا سے رخصت ہونے کی تیاری شروع کر

رہے ہیں۔انہوں نے بعض املاک جو اُن کے ذاتی نام پر تھیں، اقامتِ دین اور دین حق ٹرسٹ کے نام منتقل کر دیں تا کہ اُن کے بعد ان املاک پر اُن کا کوئی وارث ملکیت کا دعویٰ نہ کر سکے اور ان املاک کا استعمال دینی مقاصد کے لیے ہوتا رہے۔ڈاکٹر صاحب ؒ نے یہ واضح کرنے کے لیے کہ اُنہوں نے دین کی خدمت کو مالی منفعت کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا، ایک کتاب'' حساب کم و بیش'' کے نام سے تحریر کی۔اس کتاب میں اُنہوں نے زندگی بھر کی آمدنی اور اخراجات کا حساب پیش کر دیا۔اپنی خدمات قرآنی کا جائزہ پیش کرنے کے لیے ایک کتاب دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر تحریر کی۔تنظیم اسلامی میں اپنے جانشین کا فیصلہ کرنے کے حوالے سے وسیع تر مشاورت کا آغاز کیا۔مسلسل چھ برس کی مشاورت کے بعد فروری ۱۹۹۸ء میں محترم حافظ عاکف سعید صاحب کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ڈاکٹر صاحب ؒ نے اگست ۱۹۹۴ء میں حزب التحریر کے تحت عالمی خلافت کانفرنس لندن میں'' نہج انقلاب نبوی ﷺ ''کے موضوع پر انگریزی میں خطاب کیا۔پھر ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۶ء میں امریکہ جا کر انگریزی میں دورۂ ترجمۂ قرآن ریکارڈ کرایا۔

۱۹۹۷ء میں مسلم لیگ کو عام انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور اُسے قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت حاصل ہوگئی۔اب ڈاکٹر صاحب نے نواز شریف سے کئی ملاقاتیں کیں اور اُنہیں دستور پاکستان میں شامل کرنے کے لیے ایسی ترامیم مرتب کر کے دیں جس سے وطن عزیز میں اسلامی قوانین کا نفاذ ممکن ہو سکے۔رفقاءِ تنظیم اسلامی نے بھی اس حوالے سے بھرپور مہم چلائی اور لاکھوں کی تعداد میں مجوزہ ترامیم کا خاکہ حکومت کو بذریعہ ڈاک بھیجا۔بدقسمتی سے مسلم لیگ کی حکومت نے دستور پاکستان کو اسلامی بنانے اور اُس میں سے منافقانہ شقیں خارج کرنے کا بہترین موقع گنوا دیا۔

۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر صاحب ؒ نے کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کیا جس کی ویڈیو ریکارڈنگ جدید Digital کیمروں کے ذریعہ کی گئی۔مختلف ملکی اور بیرون ممالک کے ٹی چینل ڈاکٹر صاحب کے دروس اور لیکچرز کو نشر کر رہے ہیں۔اور پیغام قرآنی سو سے زائد مسلم و غیر مسلم ممالک تک پہنچ رہا ہے۔ ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر صاحب ؒ کے دونوں گھٹنوں کا آپریشن ہوا۔اسی سال

آپ نے دینی جماعتوں کو متحد کرنے کی ایک اور کوشش کی اور متحدہ اسلامی انقلابی محاذ قائم کیا جس کا مطالبہ یہ تھا کہ دستورِ پاکستان میں شریعت کی بالادستی کو تسلیم کیا جائے۔ کسی بڑی جماعت نے اس محاذ میں شمولیت اختیار نہیں کی اور یہ کوشش بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئی۔ اس محاذ کے تحت ڈاکٹر صاحبؒ نے کئی بڑے شہروں میں منہجِ انقلابِ نبویﷺ کے عنوان سے پروگرام کیے اور جید علما کو اس موضوع پر اظہارِ خیال کے لیے جمع کیا۔

۲۰۰۲ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے کئی عوارض اور بیماریوں کی وجہ سے تنظیم کی امارت سے معذرت کی اور امارت کی ذمہ داری محترم حافظ عاکف سعید صاحب کو منتقل کر دی۔ سب سے پہلے ڈاکٹر صاحبؒ نے خود حافظ عاکف سعید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تنظیم اسلامی کی امارت سے سبکدوش ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی ساری توجہ علمی، فکری اور تبلیغی امور کی طرف مرکوز کر دی۔ روز نامہ نوائے وقت اور جنگ میں کالم تحریر کرتے رہے، اہم ملکی اداروں میں لیکچرز دیتے رہے اور ملک کے طول و عرض میں دروسِ قرآن اور مختلف موضوعات پر خطابات ارشاد فرماتے رہے۔ جب بھی کہیں سے بیان کی دعوت آئی ڈاکٹر صاحبؒ نے نہ فاصلوں کی صعوبتوں کو دیکھا، نہ راستوں کی دشوار گزاری کو رکاوٹ سمجھا، نہ اپنی بیماری اور معذوری کی پروا کی اور نہ ہی اپنی پیرانہ سالی کی کمزوریوں کو عذر بنایا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہر ایسی دعوت پر لبیک کہا اور جا کر اللہ کا پیغام پورے جذبے کے ساتھ پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔

۲۰۰۹ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے ڈاکٹر ذاکر نائیک کی دعوت پر بھارت کا دورہ کیا۔ وہاں بڑے بڑے عوامی اجتماعات سے کئی کئی گھنٹے خطاب کیا اور اسٹوڈیو میں کئی لیکچرز ریکارڈ کرائے۔ Peace ٹی وی چینل پر یہ خطابات اور لیکچرز نشر ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بھارت کے کئی شہروں میں خطابات و دروس دیے۔

آخری لمحات

مورخہ ۴ تا ۹ اپریل ۲۰۱۰ء کو قرآن اکیڈمی فیصل آباد میں تنظیم اسلامی کے ذمہ داران کے لیے ایک تربیتی کورس کا انعقاد کیا گیا۔ اس کورس کے لیے تجویز کردہ نصاب کو ڈاکٹر صاحب نے بہت پسند فرمایا اور اس اجتماع میں کل وقتی شرکت کا فیصلہ کیا۔ اس دوران اُنہوں نے ۴

اور ۵ اپریل کو ملک بھر سے جمع ہونے والے تنظیم اسلامی کے ذمہ داران کو دو دو گھنٹے کے دورانیے پر مشتمل لیکچرز دیے۔ یہ خطاب ڈاکٹر صاحبؒ کا اپنے شاگردوں سے آخری خطاب ثابت ہوا۔ ۵ اپریل کی شام کو ایک پروگرام کے لیے تشریف لائے، لیکن بجلی کے نظام کی خرابی کی وجہ سے یہ پروگرام نہ ہوسکا۔ البتہ ڈاکٹر صاحبؒ اس انتظار میں کہ شاید بجلی بحال ہو جائے تشریف فرما رہے۔ لیکن زیادہ بیٹھنے کی وجہ سے رات سوتے وقت کمر کے درد میں شدت پیدا ہوئی جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب تڑپ اُٹھے۔ پھر ڈاکٹر صاحب ۶ اپریل کو دن ۱۱ بجے تشریف لائے اور اعلان کیا کہ اب میرے لیے مزید اس کورس میں پڑھانا ممکن نہیں رہا۔ اور فرمایا کہ شاید میری یہ آپ سے آخری ملاقات ہے۔ اس دوران ڈاکٹر صاحبؒ نے شرکاء کے چند سوالات کے جوابات دیے اور اس دوران بھی بار بار اُن پر رقت طاری ہوتی رہی۔ ۱۰ اپریل کو فیصل آباد ہی میں تنظیم کی مرکزی شوریٰ کا اجلاس تھا۔ ڈاکٹر صاحب باوجود بیماری کے اس اجلاس میں شرکت کے لیے لاہور سے تشریف لائے۔ فرمایا کہ شاید آخری بار آپ سے ملاقات کے لیے آیا ہوں۔ اور فکر انگیز گفتگو میں رفقاءِ تنظیم سے فرمایا آج میں یہ پیغام دینے کے لیے آیا ہوں کہ اس ظالمانہ نظام کے خلاف اپنے جذبات کو سرد نہ ہونے دینا اور دینِ حق کی سربلندی کے لیے اپنی جدوجہد کو تیز سے تیز تر کرنا یعنی ساتھیو! مشعلوں کو تیز کرو۔ حالات بڑی تیزی سے تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ دین، ملت اور ملک کے خیر خواہوں کو چاہیے کہ اپنے زیادہ وسائل، اوقات اور توانائیاں حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے وقف کر دیں۔ مورخہ ۱۳ اپریل کو رات ساڑھے گیارہ بجے ڈاکٹر صاحب کے فرزند ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحبؒ کو بخار ہے۔ اُنہوں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ کیا کسی معالج کو دکھا دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے منع فرمایا اور چند ادویات لے کر سو گئے۔ رات ڈھائی بجے ڈاکٹر صاحبؒ کے خادم نے محسوس کیا کہ آپ کے سانس لینے کی آواز نہیں آ رہی۔ قریب جا کر دیکھا تو آپ ساکت لیٹے ہوئے تھے۔ خادم نے ڈاکٹر عارف رشید صاحب کو فون کر کے بلایا۔ اُنہوں نے آ کر ڈاکٹر صاحبؒ کا معائنہ کیا اور بتایا کہ اللہ کے دین کا خادم اللہ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ ۱۳ اور ۱۴ اپریل ۲۰۱۰ء کی درمیانی شب ڈاکٹر صاحب اس دارِ فانی سے دارالبقاء کی طرف کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ